رجسٹرڈ نمبر اے ۹۲۲
ٹیلیفون نمبر ۴۹
تار کا پتہ
"انجمن" علی گڈھ

قیمت سالانہ تین روپیہ
قیمت ایک پرچہ تین آنے
تاریخ اشاعت
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

انجمن ترقی اردو ہند کا ترجمان

ہماری زبان

ایڈیٹر آل احمد سرور

جلد ۱۵ | علیگڈھ - یکم نومبر ۵۶ء | شمارہ ۲۱

انجمن کی خبریں

کرناٹک کرناٹک کے مختلف شہروں اور قصبوں میں لوگ از خود انجمن کی شاخیں قائم کر رہے ہیں۔ اب تک اس سلسلے میں گلبرگہ، بیجاپور میسور وغیرہ سے اطلاع آچکی ہیں اب حیدرآباد کی تقسیم کی وجہ سے ضلع بیدر کا وہ علاقہ بھی جو کرناٹک میں شامل ہو رہا ہے اپنی انجمن کی تشکیل کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں جناب سید عبد الغنی صاحب وکیل خاص طور پر کوشاں ہیں۔ عنقریب یہ شاخ بن کر فی الحال مرکز سے ملحق ہو جائے گی۔

آسنسول اس ہفتہ آسنسول میں ایک شاندار مشاعرہ جناب جگر مرادآبادی صاحب کی صدارت میں ہو رہا ہے اور انجمن کی شاخ کا افتتاح بھی ان ہی کے مبارک ہاتھوں سے ہونے والا ہے۔

ہندستانی ادبیات

ساہتیہ اکاڈمی کی ہندستانی ادبیات کی نمائش ۱۰ نومبر ۱۹۵۶ء سے دہلی میں شروع ہو رہی ہے۔ اس میں اردو کی کتابوں کی نمائش ایک کمیٹی کے سپرد کی گئی ہے جس کے قاضی عبدالودود صاحب سید مسعود حسن رضوی، امتیاز علی عرشی، ڈاکٹر نذیر، ڈاکٹر عابد حسین صاحب ممبر ہیں اور پروفیسر آل احمد سرور سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند کنوینر ہیں۔ اس نمائش کے لئے حیدرآباد، بانکی پور، لکھنؤ، رامپور، علی گڑھ، دہلی کے اہم کتب خانوں سے کتابیں جمع کی جا رہی ہیں۔ انجمن ترقی اردو ہند کی مطبوعات اور اس کے کتب خانہ کی چیدہ چیدہ کتابیں بھی بھیجی جا رہی ہیں۔

بہار

سپاس نامہ اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں اراکین بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی طرف سے ایک سپاس نامہ جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب نائب وزیر وزارت خارجہ ہند کی خدمت میں پیش کیا جس کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے ناساز گار حالات میں کام شروع کیا اور صوبے کے برسوں کے جمود کو دور کیا۔

(۲) تھوڑے ہی عرصہ میں ریاستی انجمن نے صوبے میں ۵۰ شاخیں قائم کریں اور کاموں کو منظم کیا۔

(۳) پٹنہ یونیورسٹی میں انجمن کی سعی و کوشش اور آپ کے اثر و رسوخ سے یونیورسٹی کی اکیڈیمک کونسل نے وسیع اتفاقی کے ساتھ ایک علیحدہ اور خود مختار شعبۂ اردو قائم کیا۔

(۴) انجمن کی جدوجہد سے سکنڈری اسکول اگزامنیشن بورڈ میں اردو لازمی زبان کی حیثیت سے مادری زبان والوں کے لئے قائم رہی۔ انجمن بورڈ کی انصاف پروری اور ہمدردی کی معترف ہے۔

(۵) اردو کو بہار میں علاقائی زبان منوانے کے لئے انجمن نے ہندو مسلمان، سکھ عیسائی بھائیوں کے دس لاکھ دستخط حاصل کئے ہم حکومت بہار کے شکر گزار ہیں کہ ان کی ہمدردانہ روش سے ہمارا یہ محضر جناب صدر جمہوریہ کی خدمت عالی میں پیش ہو سکا۔ اور صدر والا تبار نے اس پر ہمدردانہ غور فرمانے کا وعدہ کیا۔

(۶) انجمن نے سرحدی تنظیم نو کے کمیشن کے سامنے بھی بیباکی اور بے باکی سے اردو باشندگان کشن گنج کے حقوق بتائے۔ اور ان کے مفاد کی صحیح وکالت کی۔

(۷) پھر لسانی کمیشن کے سامنے بھی اردو کے متعلق حقیقت حال کا اظہار کیا جس کے بہتر نتائج کی توقع ہے۔

(۳) انجمن نے ریاست میں اردو لائبریریوں کی تنظیم کے لئے بھی ہم کوشش کی اور لائبریری کمیٹی کو اردو کتابوں کی خریداری میں منصفانہ تناسب کی طرف توجہ دلائی۔

میمورنڈم کے آخر میں کہا گیا کہ انجمن کے ایک وفد نے وزیر اعلیٰ شری کرشن سنہا اور وزیر تعلیم شری بدری ناتھ ورما سے ملاقات کرکے اردو کے ساتھ افسروں کی طرف سے جو بیجا سلوک ہو رہا ہے بتایا۔ وزیر اعلیٰ کی شرافت النفسی کے ہم شکر گزار ہیں کہ انھوں نے پوری توجہ اس مسئلہ پر دی مگر اب تک بعض تنگ نظر افسروں کا رویہ اردو کی طرف منصفانہ نہیں ہے۔ آپ نے اپنی تقریر میں تاج محل کو متحدہ کلچر کی پیداوار بتایا ہے۔ اسی طرح اردو بھی ایک تاج محل ہے یہ ملک کے اتحاد اور یگانگت کی نشانی ہے۔ اس کی حفاظت بھی ہمارا مقدس فریضہ ہے

جواب میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے فرمایا کہ آپ لوگ اردو کے مستقبل کے بارے میں جو بھی تشویش رکھتے ہوں مگر آنے والے دنوں میں ہندوستان کے اندر اردو کا مستقبل بہت شاندار ہے۔ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے بلکہ یہ تو ہندوستان کے ہندو مسلمان سکھ سبھوں کا مشترک سرمایہ ہے۔ اور اس سلسلے میں بہت سے ثبوت ہیں جن کا ذکر ایک لمبا فسانہ بن جائے گا۔ لیکن پھر بھی چند لوگ ایسے ہیں جو خواہ مخواہ اردو کو مسلمانوں کی زبان بتلاتے ہیں اور اس مسئلہ پر اختلاف پیدا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ اردو کو سراسر نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اس لئے آپ لوگوں کو ایسوں کی باتوں میں آنے سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ اردو کے مسئلے پر

تمام طبقوں کو متحد ہو کر جدوجہد کرنا چاہئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اردو داں طبقے سے یہ بھی کہا کہ وہ جذبات سے پرے ہو کر اس کی بقا اور تحفظ کے لئے کام کرتے رہیں اور ایسی فضا تیار کریں جس سے کہ مخالف بھی ان کے ساتھ ہو جائیں۔

انھوں نے اردو داں طبقے سے یہ بھی اپیل کی کہ وہ جہاں اردو کے لئے کوشش کر رہے ہیں ہندی بھی پڑھیں۔

اَمرِ اُردو

ہماری زبان اب ہفتہ وار ہو گیا ہے اس لئے امر اردو ہفتہ وار جو اختر پبلشر ریاستی انجمن لکھنؤ کے اہتمام سے شائع ہوتا تھا اب شائع نہ ہوگا۔ لیکن اس کے تمام خریداروں کو ہماری زبان ان کی مدت خریداری ختم ہونے تک ملتا رہے گا۔ ۱۵ اکتوبر سے امر اردو کے خریداروں کو ہماری زبان کا خریدار تسلیم کرکے ان کے چندے کی مدت تک ہماری زبان ان کے نام جاری کر دیا گیا ہے۔

غزل

کہاں دورِ شباب اپنا کہاں اسباب جینے کے
یہ دنیا ہے یہاں غم بھی نہیں ملتے قرینے کے

ابھی تو اے اجل دنیا میں ہم نے آنکھ کھولی ہے
کبھی فرصت سے آ جانا ابھی تو دن ہیں جینے کے

پہاڑوں پر نہ اُتری آیتِ غم ورنہ چل پڑتے
ابھی تم نے نہیں دیکھے ہمارے زخم سینے کے

یہ زہرِ غم ہے کچھ آنسو نہیں جس کو جسے پی لیں
کہ دل تو پھر ہے دل ٹکڑے اڑا دے آبگینے کے

حوادث کیا ہیں رن پڑتا ہے اسبابِ حوادث سے
کوئی چاہے تو ہم سے سیکھ لے آداب جینے کے

بہت کمزور ہے ساحل بہت پُرشور ہیں موجیں
خدارا تم نہ پاس آنا مرے دل کے سفینے کے

ارے یہ صحبتِ یاراں ہے یا بازارِ خود کامی
نہ جانے کس طرح پہلو نکل آتے ہیں کینے کے

خیالِ خاطرِ احباب ایسی کیا قیامت ہے
کہ ڈرتا ہوں قریب آ کر دوں کے آبگینے کے

کبھی تو بے غرض ہو کر بھی ملتے اپنے پیاروں سے
کہاں تک اب کوئی دیکھے ہمارے زخم سینے کے

عزیزو تم کو کیا دوں پیچ ہے اک مدت پہ لوٹا ہوں
تمہاری نذر ہیں کچھ تجربے غربت میں جینے کے

شہاب اس دورِ ناکامی میں کوئی کام کر جاؤ
اٹھو چن لو یہ موتی ہیں یہیں قطرے پسینے کے

شہاب جعفری

معزز مہمان

۱۰ اکتوبر کو حیدرآباد کے نواب ناظر یار جنگ بہادر نے جنرل سکریٹری کی دعوت پر انجمن ترقی اردو ہند کے دفتر میں قدم رنجہ فرمایا اور بڑی دلچسپی اور انہماک سے انجمن کی مطبوعات، مخطوطات اور کتب خانے کو دیکھا۔ بہت سے اہم مشورے بھی دیئے۔

نواب صاحب انجمن کے کاموں اور چیزوں کو دیکھتے دیکھتے ایک بار بے ساختہ بول اٹھے کہ "بھئی آپ کی اس انجمن کے لئے تو اس کے شایانِ شان اور ضرورت کے مطابق ایک اچھی خاص عمارت ہونا چاہئے۔"

ہماری زبان

یکم نومبر ۱۹۵۷ء

سرسیّد کی یاد

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ۱۷، اکتوبر ۱۹۵۷ء کو یوم سرسید منایا گیا۔ یونیورسٹی میں نواب چھتاری پرو وائس چانسلر کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ یونین میں رات کو جلسہ ہوا۔ لٹن لائبریری میں سرسید کی تصانیف کی نمائش کی گئی۔ سرسید کے متعلق ایک پمفلٹ شائع کیا گیا، مسجد میں قرآن خوانی ہوئی اور رات کو اساتذہ طلبا اور اولڈ بوائز کا ایک ملا جلا ڈنر ہوا۔ ہمیں خوشی ہے کہ یونیورسٹی اب بانیٔ درس گاہ اور انسانیت اور تہذیب کے اس بہت بڑے محسن کی یاد اس طرح تازہ کرتی ہے۔ مگر اس موقعے پر ہم خاص طور پر سرسید کے ماننے والوں سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ سرسید کی اُن خدمات کو نگاہ میں رکھیں جو انھوں نے اردو زبان کی حفاظت اور اردو ادب کی اشاعت اور مقبولیت کے لئے انجام دیں۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں جب بعض حلقوں سے اردو کے خلاف آواز بلند ہوئی تو سرسیّد نے سب سے پہلے اردو کی حمایت کا علم بلند کیا۔ انھوں نے نہ صرف اردو میں قریب قریب ہر موضوع پر اعلیٰ اور معیاری تصانیف کا ایک انبار لگا دیا بلکہ اردو ادب کا رخ بدل کر اسے ملک میں زندگی کا نقیب اور ناشر بنا دیا۔ پھر انھوں نے اپنے گرد ایسے ایسے عالم اور مصنف، ادیب اور شاعر جمع کر لئے جن میں سے ہر ایک اپنی ذات سے ایک انجمن تھا۔ سرسیّد کی یاد کے معنی یہ ہیں کہ ہم اردو زبان و ادب کی بقا اور ترقی کے لئے پھر دل و جان سے آمادہ ہوں، اسے ایک طرف بلند سے بلند علمی موضوع کے اظہار کے قابل بنائیں اور دوسری طرف اس کی اس طرح حفاظت کریں کہ تنگ نظری اور تعصب کی تیز سے تیز آندھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ یونیورسٹی سرسید کی بعض تصانیف کے اچھے ایڈیشن شائع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے انجمن ترقی اردو اس مبارک کام میں ہر طرح ہاتھ بٹانے کو تیار ہے۔

علی گڑھ یونیورسٹی کے نئے وائس چانسلر

انجمن ترقی اردو کی مجلس عام کے رکن کرنل بشیر حسین زیدی ایم۔ پی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی جگہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نئے وائس چانسلر مقرر ہوئے ہیں۔ موصوف نے اپنے عہدے کا چارج لے لیا ہے۔ زیدی صاحب کو اردو سے گہرا شغف ہے۔ رام پور کے قیام کے زمانے میں انھوں نے سرکاری کتاب خانے پر بڑی توجہ کی اور وہاں سے جو اعلیٰ درجے کی کتابیں شائع ہوئیں وہ انھیں کی گہری دلچسپی کا نتیجہ تھیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کی مسلّم علم دوستی اور ادب نوازی سے نہ صرف یونیورسٹی بلکہ انجمن ترقی اردو ہند کو بھی بڑی مدد ملے گی۔ اور انجمن بعض ایسے علمی کام شروع کر سکے گی جو ابھی مالی دقتوں کی وجہ سے معرض التوا میں ہیں۔

یوم سرسید

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طالب علموں اور استادوں کے لئے ۱۷، اکتوبر کا دن بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ بانیٔ درس گاہ کی پیدائش کا دن ہے چنانچہ پچھلے برسوں کی طرح یہ دن بھی بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ ۱۰ بجے صبح یونیورسٹی کی جانب سے ایک جلسہ اسٹریچی ہال میں ہوا۔ جلسے کی صدارت نواب صاحب چھتاری پرو وائس چانسلر نے کی۔

پروفیسر آل احمد سرور نے اپنی تقریر میں سرسید کے ان کارناموں کا ذکر کیا جو ہمارے لئے سبق آموز ہیں۔ انھوں نے سرسیّد کی علمی خدمات کے ساتھ ان کی عملی صلاحیت پر روشنی ڈالی۔ آثار الصنادید اور تصحیح آئین اکبری کی طرح علمی کاموں کے ساتھ سرسید کی اعلیٰ تنظیمی انتظامی قابلیت سائنٹفک سوسائٹی اور گزٹ اور مدرسۃ العلوم کی تحریک سے ظاہر ہوتی ہے۔ سرور صاحب نے سرسید کی دوسروں سے کام لینے کی صلاحیت، خواب دیکھنے اور خوابوں کو حقیقت بنانے کی استعداد اور مخالفتوں کے باوجود استقلال اور پامردی سے اپنی منزل کی طرف گامزن رہنے کے جذبے کو سراہا۔ انھوں نے سرسیّد کی تحریک کا تجزیہ کر کے ثابت کیا کہ یہ ایک ذہنی و تہذیبی تحریک تھی جس نے زندگی کے ہر گوشے کو متاثر کیا۔ انھوں نے نوجوانوں سے سرسید کے انقلابی پیام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی اپیل کی اور نئے ہندستان کی مشترک تہذیب کو اپنانے اور اس میں اپنا رنگ شامل کرنے پر زور دیا۔

عبدالمجید خواجہ صاحب نے سرسید کی زندگی اور شخصیت پر روشنی ڈالی اور نہایت دلچسپ انداز میں ان کی زندگی کے بعض واقعات بیان کئے جو چشم دید تھے۔

کرنل بشیر حسین زیدی وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے سرسید کی تین صفتوں پر زور دیا۔ اول تو ان کی حب الوطنی، دوسرے ان کا اعتماد، تیسرے ان کی جامعیت۔ (بقیہ ص ۲ پر)

معاصرین

کشمیر کا نیا آئین

معزز معاصر روزنامہ تیج دہلی، آئین کشمیر پر اپنے اداریے میں بحث کرتے ہوئے وہاں کی سرکاری زبان کے متعلق لکھتا ہے:

زبان کے مسئلہ میں بھی ممکن ہے بعض لوگوں کو کچھ اعتراض ہو کہ ہندی کو سرکاری زبان یا قومی زبان قرار کیوں نہیں دیا گیا۔ ایسا اعتراض کرنے والوں کی توجہ ہم شری راجگوپال آچاریہ کی تازہ تقریر کی طرف مبذول کرائیں گے۔ یہ واقعہ ہے کہ زبان کے مسئلے میں خود ہندستان میں ایک ذہنی انتشار موجود ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ جموں و کشمیر میں اردو سرکاری زبان ہوگی۔ اردو نہ ہی پاکستان کی ملکیت ہے۔ اور نہ ہی مسلمانوں کی۔ اس کا تعلق نہ اسلام سے ہے اور نہ ہی کسی اور مذہب سے ہے یہ ہندستان کے ودھان میں موجود ہے۔ باوجود اس کے کہ اسے کسی صوبے یا علاقے نے نہیں اپنایا۔ اب ہم یہ کہہ سکیں گے کہ اردو بھی ہندستان کی ایک صوبائی زبان ہے۔ ہندی کو اپنی منزل پر پہنچنے میں ابھی ایک عرصہ درکار ہے۔ ظاہر ہے کہ مرکز میں اگر ہندی اپنے درجے کو پہنچ گئی تو کشمیر میں اُسے خود بخود وہی درجہ حاصل ہو جائے گا جو ہندستان کے دوسرے صوبوں میں ہوگا۔ جموں و کشمیر کی ترقی علیحدہ نہیں بلکہ ہندستان سے مل کر ہوگی۔ اس ترقی میں زبان جو پارٹ ادا کرے گی اس سے جموں و کشمیر انحراف نہیں کر سکے گا (اشاعت ۲۰ اکتوبر)

اردو کا بھلا

(کاکا کالیلکر)

جب انگریزی کو ہٹا کر کسی دیسی بھاشا کو بھارت کی راشٹر بھاشا بنانے کا وچار کیا گیا۔ تب دیش کے جنتا پردھان لوگوں نے ہندی کی اور دھیان دیا۔ ہندی کا پرچار جیسے جیسے بڑھتا گیا۔ ویسے ویسے اردو نے سر اونچا کیا اور اپنا دعویٰ پیش کیا۔

ہندی اردو کا اگر جھگڑا چلا تو دونوں کمزور رہیں گی۔ اس خیال سے، اور بھارت کی سنسکرتی مشترکہ یعنی سنگم سنسکرتی ہے۔ اس خیال سے بھی، راشٹر کے نیتاؤں نے ہندی کی جگہ ہندستانی کا پرچار شروع کیا اُتر بھارت کے سارو جنک جیون میں ہندی۔ اردو کا مشرن جو آپ ہی آپ بنا تھا۔ اس کو ہندستانی کہا جاتا ہے۔ گاندھی جی نے اس ہندستانی کیلئے دو لپیاں قبول کیں۔ لیکن کٹر اردو بولنے والے کہنے لگے کہ ہندستانی کی آڑ میں ہندی کا ہی پرچار ہو رہا ہے ہندی والوں کو ڈر تھا کہ ہندستانی کی آڑ میں اردو زور پکڑ لے گی۔ گاندھی جی کی مرتیو کے بعد جب سمودھان سبھا نے ہندی اور ناگری لپی کے پکش میں ترنے (فیصلہ) کیا۔ تب جاکر کئی اردو والوں نے ہندستانی کا پکش کر کے دیکھا۔

دیش کے بٹوارے اور پاکستان کی ستھاپنا کے بعد بھارت میں ہندستانی کا پکش کمزور ہوا اور اردو کا دعویٰ اتر پردیش تک سمٹ رہا اردو نے آج تک کسی نہ کسی پکش کا پرتی وادی بن کر مقابلہ کرنا ہی پسند کیا ہے۔

اردو بھاشا اور لپی جاننے والوں کی سنکھیا اتر بھارت میں آج بھی کافی ہے۔ لیکن وہ بڑھتی نہیں۔ اردو کا گھر اتر پردیش ہی ہے پاکستان کی ستھاپنا سے سمو چار بھارت تو کمزور ہوا۔ لیکن اردو تو بالکل ہی بے گھر، بے جان سی ہوگئی۔ یہ اچھا نہیں ہوا لیکن اردو کے اندھے حامیوں نے ہی یہ حالت پیدا کی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو کی خوبی عربی۔ فارسی کے کارن ہے۔ لیکن اس کی جان اور بنیاد ہے ٹھیٹھ بھاشا۔ کھڑی بولی اور ہندستانی۔

اب اردو کو خاص راج مانتا ہے۔ پاکستان میں وہاں سرکاری اور سب اس کا زوروں سے پرچار ہوتا ہے۔ لیکن وہاں کے اردو کے حامی بھاشا کا جیون شاستر نہیں جانتے۔ اردو ایک قلمی بھاشا ہے جیسے قلمی آم کی دیشی آم پر قلم لگائی جاتی ہے (GRAFT) کیا جاتا ہے۔ اور وہ آم کی ویسے شکتی سے ہی جی سکتا ہے، ویسے ہی اب پاکستانی اردو تین چار بھاشاؤں سے پوشن پاکر ہی جی سکتی ہے اور پنپ سکتی ہے۔ میں نہیں مانتا کہ پاکستان کے اردو کے حامی راجیہ کرتا اس چیز کو سمجھ سکے ہیں۔ بنگلہ، سندھی، پشتو اور پنجابی اور کچھ حد تک کشمیری بھاشا کا سویکار کر کے ان کی عزت بڑھا کر، ان کا سہیوگ وہاں کی اردو لے گی۔ تبھی وہ زمین میں جڑیں پکڑ سکے گی۔ لیکن پاکستان میں ان دیشی بھاشاؤں کی مخالفت ہو رہی ہے

اگر ہندستان میں اردو بھگت اردو کو چلانا چاہتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ وہ ہندی کے ساتھ بنگلہ، سندھی، پنجابی، پشتو اور کاشمیری پانچوں بھاشاؤں کی پاک نیت سے سیوا کریں اور ان کی پرتشٹھا ہر طرح سے بڑھائیں۔ اگر یہ نئی نیتی ان کو جچ گئی تو بھارت کے دوسرے لوگوں سے بھی ان کو مدد ملے گی۔ عربی۔ فارسی کا زور بڑھانے سے اردو کی پران شکتی اب بڑھنے والی نہیں ہے۔

اردو ساہتیہ سے اچھی اچھی چیزیں چن کر انہیں ناگری میں چھاپنے کا کام ہندی والوں نے کافی کیا ہے۔ پریم چند جی نے "فسانۂ آزاد" کو کاٹ چھانٹ کر "آزاد کتھا" نام سے ناگری اکشروں میں چھپایا ہندی اور اردو دونوں کی یہ اچھی سیوا ہوئی۔ رام نرشے ترپاٹھی نے بھی اپنی کوتا کومدی مالا میں اردو کو ایک جلد دیا ہے۔ اردو شعر و شاعری جیسی کتابیں بھی ناگری میں آئی ہیں۔ یہ سب ہندی والوں کا

پر قادر تھا ہے۔

یو لوگ اردو کے بھگت ہیں اور اردو کا وکاس (ترقی) چاہتے ہیں۔ ان کو چاہئے کہ وہ بھی اردو ساہتیہ کے اچھے حصہ کو ناگری لپی میں شائع کریں۔ اور اگر اردو کا دائرہ تنگ نہیں کرنا ہے تو اردو بچوں کو آسان بنانا چاہئے اور زبان بھی عام فہم بنا کر ہندستانی کے نزدیک اسے لانا چاہئے۔ ایسا نہیں کیا تو اردو والوں کی جماعت چھوٹی ہوگی اور اردو کا ساہتیہ دیش کے دوسرے ساہتیوں میں گھُل مل نہیں سکے گا۔

(از منگل پربھات)

اردو کا تابناک مستقبل

معاصر روز نامہ "ناظم" رام پور کے اداریٔ نوٹ کا ایک ٹکڑا۔

یوپی سے دور اور بہت دور اردو کے تابناک مستقبل کی صدائیں سننے میں آتی ہیں۔ کبھی وزیراعلیٰ حیدرآباد کی آواز مایوسی کی گھنگھور گھٹاؤں کو چیرتی ہوئی نکل جاتی ہے اور کبھی وزیر اعلیٰ بھوپال کی مسحور کن آواز زخمی دلوں پر مرہم کا کام دیتی ہے، کبھی پنجاب راجستھان اور بہار کی حکومتوں کی ہمدردی بھری اردو کے دلوں کو موہ لیتی ہے اور کبھی وزیر اعظم ہندستان شری جواہر لال نہرو کی گونج سحر سامری کے سکوت کو توڑتی نظر آتی ہے لیکن یہ یہ سب کچھ یوپی سے دور اور بہت بہت دور ہوتا ہے، حالانکہ ہم یوپی میں جو اردو کا گہوارہ ہے اور جہاں ایک کروڑ سے زیادہ افراد اردو کے تابناک مستقبل کے لئے گوش برآواز ہیں کون جانتا ہے کہاں اردو کی عملی جدوجہد کب کامیابی کی منزل سے ہم کنار ہوگی اور سامیان تبدیلی کا یہ طلسم کب ٹوٹے گا کہ اردو کا فروغ ہندی کی ترقی کی راہ میں حائل ہے۔ (اشاعت ۱۰ اکتوبر)

انجمن ترقی اردو ہند میدان عمل میں

ہم عصر ماہنامہ "شاعر" بمبئی نے اپنی تازہ اشاعت میں "انجمن ترقی اردو ہند میدان عمل میں" کے عنوان سے ایک مفصل اداریٔ نوٹ لکھا ہے۔ عدم گنجائش کی وجہ سے اس کے صرف چند ٹکڑے "ہماری زبان" میں شائع کئے جاتے ہیں۔

فکر ہے کہ اراکین انجمن ایک نئے جوش اور ولولہ کو ساتھ لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ وہ تعمیری، سائنٹفک، جمہوری اور آئینی اصولوں سے کام لے کر اردو کے مقدمے کو جیتنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یقیناً یہ اردو کے لئے فال نیک ہے۔ انجمن سے ماضی میں کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ اس کے کاموں پر اعتراضات ہوتے رہے ہیں۔ "شاعر" میں بھی کبھی کبھی انجمن کے کاموں پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔ اصولی اور نظریاتی اختلافات پیش کئے گئے ہیں لیکن ہمیشہ اس بات پر زور دیا گیا کہ انجمن سے ہٹ کر ملک میں نہ کوئی ادارہ قائم ہونا چاہئے اور نہ انجمن کے بغیر کوئی تحریک چلائی جائے۔

جہاں تک انجمن ترقی اردو ہند کی سرگرمیوں کا سوال ہے یہ امید پائی جاتی ہے کہ اب وہ بڑھتی ہی جائیں گی۔ لسانی جدوجہد میں بھی اور ادبی محاذ پر بھی۔ چنانچہ انجمن کی مطبوعات کا پروگرام وسیع ہوتا جارہا ہے۔ حال میں انجمن نے دس ہزار سے زائد الفاظ پر مشتمل ایک "اردو ہندی" ڈکشنری شائع کی ہے۔ یہ وقت کی اہم ترین ضرورت تھی جسے انجمن نے پورا کیا۔ اب اردو فارسی کا ایک جامع لغت زیر ترتیب ہے۔ ہر بڑی جماعت اور مقتدر ادارے کے کاموں کے سلسلے میں مخالف آوازیں اٹھتی ہیں۔ اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ بسا اوقات اعتراضات تعمیری ہوتے ہیں۔ معترضین کی نیتیں اچھی ہوتی ہیں اور کبھی کبھی تخریبی رجحانات بھی کام کرتے ہیں۔ شخصی اقتدار کی بھوک، شہرت اور جلب منفعت کا خیال مخالفتوں پر اکساتا ہے۔ موجودہ حالات میں جبکہ انجمن اردو کے لئے زیادہ سے زیادہ سعی و کاوش کررہی ہے۔ اس کی مخالفت کسی طرح مناسب نہیں۔ اردو عوام و خواص کو اس سے پورا پورا تعاون کرنا چاہئے۔ وقت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم انجمن سے الگ ہوکر کوئی کام نہ کریں۔ یوں انفرادی طور پر اردو کے لئے جدوجہد کرنا ہر اردو داں کا فرض ہے۔ جہاں تک اجتماعی کاموں کا تعلق ہے وہ انجمن ہی کے زیر قیادت ہونے چاہئیں۔

انجمن سے اصولی اختلافات پیدا ہو سکتے ہیں۔ ان اختلافات کو اراکین انجمن کے سامنے لانے کے لئے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں مگر یہ طریقہ غلط ہے کہ اخبارات و رسائل میں انجمن پر کیچڑ اچھالی جائے اس کے کاموں میں رکاوٹ پیدا کی جائے۔

ایک اخبار میں انجمن پر یہ الزام بھی لگایا گیا ہے کہ وہ "اردو رسم الخط" کو تبدیل کرنا چاہتی ہے۔ اس الزام و اعتراض کی بنیاد اس "سوال نامہ" کو بنایا گیا ہے جو "ہماری زبان" میں شائع ہوا ہے حالانکہ اس "سوال نامہ" کا مقصد ہرگز وہ نہیں ہے جو اس معاصر نے سمجھا ہے اس میں رسم خط کی تبدیلی کا سوال نہیں ہے بلکہ اردو رسم خط میں اصلاحات مقصود ہیں۔ اصلاح اور تبدیلی میں بڑا فرق ہے۔ اگر اس مسئلے پر غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ اردو کے لئے بہت مفید ہو سکتا ہے۔ ایک مفید اقدام کو غلط اور معاندانہ انداز میں عوام کے سامنے پیش کرنا فکر و تدبر اور سنجیدگی کے منافی ہے۔

خط و کتابت
انجمن سے جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر "جنرل سکریٹری، انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ" کے پتے پر ہونی چاہئے اس پر کسی شخص کا نام نہ لکھا جائے۔ (منیجر)

بقیہ یوم سرسید

ھوں نے کہا کہ ان تینوں صفات کی وجہ سے سرسید نے زندگی اور ادب کا رخ موڑ دیا۔

آخر میں نواب صاحب چھتاری نے سرسید کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے نئے وائس چانسلر کو تمام اساتذہ طلبا اور کارکنان یونیورسٹی کے تعاون کا یقین دلایا اور ان کے دور کی کامیابی کی امید ظاہر کی۔

جلسے میں یونیورسٹی کی طرف سے سرسید کی گوناگوں خدمات کا تذکرہ ایک پمفلٹ کی صورت میں تقسیم کیا گیا۔

یونیورسٹی لائبریری کی طرف سے سرسید احمد خاں کی تصانیف و تالیفات کی ایک نمائش کا انتظام کیا گیا۔ اس نمائش میں سرسید کی کی مکمل تصانیف رکھی گئیں۔ ان میں ایسی تصانیف بھی شامل ہیں جو اتنی کمیاب ہیں کہ لائبریریوں میں بھی مشکل سے مل سکتی ہیں۔

مطبوعہ کتابوں کے ساتھ ساتھ سرسید کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے مسودے بھی تھے۔ جو نمائش کے لئے خاص طور پر رکھے گئے تھے۔

اس کے علاوہ آثار الصنادید کا گارساں دتاسی کا فرانسیسی ترجمہ بھی تھا۔ منتظمین نے یہ اہتمام بھی کیا تھا کہ سرسید کی تصانیف کے ساتھ سرسید پر لکھی ہوئی اردو اور انگریزی کتابیں بھی موجود تھیں

شام کو یونین کی طرف سے یونین ہال میں ایک جلسہ ہوا، جس میں پروفیسر آل احمد سرور اور ڈاکٹر عبدالعلیم نے تقریریں کیں۔

پروفیسر آل احمد سرور نے سرسید کے علمی و ادبی کارناموں اور ان کے منصب پر روشنی ڈالی اور کہا کہ سرسید نے زبان کے چہرے سے شاعری کے نقاب کو نوچ کر پھینک دیا۔ اور زبان تھوڑے عرصے میں اس لائق بن گئی کہ بڑے بڑے علمی مسائل اس میں سما سکتے ہیں سرسید ادب کو تفریح کا آلہ نہیں سمجھتے تھے، اسے راہ نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور ان کے اسی جذبے نے حالی سے مسدس لکھوائی۔

سرسید کا تعلیمی پروگرام تین خانوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔

(۱) اولاً وہ چاہتے تھے کہ ایک ایسا ادارہ ہو جہاں انگریزی کے ذریعے تعلیم دی جائے اور ایسے اہل علم کی جماعت پیدا کرے جو مشرق اور مغرب کے درمیان پل کا کام کرے۔

(۲) دوسرے ایک ایسا ادارہ ہو جہاں تمام علوم کی تعلیم اردو کے ذریعے ہو۔

(۳) تیسرے ایک ایسا ادارہ ہو جہاں فارسی اور عربی کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہو تاکہ ہمارے قدیم علمی ذخیرے کی باقاعدہ چھان بین ہو سکے۔

ڈاکٹر عبدالعلیم نے فرمایا کہ سرسید کی ذات جامع کمالات تھی۔ وہ ایک ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جو مسلمانوں میں موت و ہراس کا زمانہ تھا۔ انھوں نے ایک نیا راستہ دکھایا، جو نگاہیں پیچھے کی طرف دیکھنے کی عادی تھیں، انھیں آگے کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا۔ سرسید کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ انھوں نے اپنے اسلاف کے اعمال و اقوال کی کورانہ تقلید نہیں کی۔ اس لئے یہ ضروری نہیں کہ آج ہم سرسید کی اندھی تقلید کریں

ڈاکٹر علیم نے کہا کہ ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ آج کے ہندوستان میں اس ادارے کی بالخصوص اور مسلمانوں کی بالعموم کیا حیثیت ہوگی ہمیں فخر ہے کہ ہماری ریاست "غیر مذہبی" ہے اور اس لحاظ سے حکومت سے اگر ہم یہ توقع کریں تو بے جا نہ ہوگا کہ جو شخص اپنے مذہب کی پابندی کرنا چاہے اسے پوری آزادی ملے لیکن اس کے معنی یہ بھی نہیں کہ ہندوستان میں بیٹھ کر ایک اسلامی حکومت کے خواب دیکھے۔

علی گڑھ یونیورسٹی کے متعلق موصوف نے اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا کہ یہ ادارہ علم و ادب کا مرکز رہا ہے۔ لیکن کیا بات ہے کہ آج ایسا نہیں ہے۔ ہمارے یہاں ادیبوں اور شاعروں کی کمی ہے۔ ایک مایوسی اور ہیجان کی سی کیفیت ہے۔ لیکن اس سے کام نہیں چلے گا۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے علوم سے دوسروں کا احترام کرا سکیں۔

ڈاکٹر عبدالعلیم نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ہم کو چاہیے کہ اپنی تہذیب کی قدروں کا از سر نو جائزہ لیں اور سرسید نے ہمیں یہی سکھایا ہے۔ آپ مایوسی اور بے چارگی کے جذبے کو دور کیجئے۔ تاریخ کی رفتار پر نظر رکھئے وہ (SECULARISM) کے راستے پر رواں دواں ہے یہ راستہ ہے عوام کی ترقی کا، معاشی مساوات کا۔ ہمیں یہیں رہنا ہے اور آپس میں میل جول اور اتحاد سے رہنا علمی و تعلیمی اداروں کا کام ہے۔ آپ کو چاہیے کہ آپ ہندو علوم و تہذیب کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اپنے اردگرد ایسی دیوار کھڑی نہ کریں جو انسانوں کو ایک دوسرے کے سمجھنے میں رکاوٹ کا کام کرتی ہے۔ اس طرح آپ سرسید کی روایات کو آج کے حالات کے مطابق آگے بڑھا سکیں۔

ڈاکٹر علیم کی تقریر کے بعد سجاد کا یونیورسٹی ترانہ کورس سانگ السٹیل کی طرف سے پیش کیا گیا اور جلسہ برخاست ہوا۔

(نامہ نگار)

اُردُو دُنیا

اردو میں دعا

گزشتہ مئی میں مسلم یونیورسٹی کا ایک وفد ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی قیادت میں سعودی عرب گیا تھا۔ اس وفد کے روزنامچے کا ایک ٹکڑا ملاحظہ کیجیے:۔

"مولانا کرم علی صاحب ذاکر صاحب اور دوسرے اراکین کو خانۂ کعبہ کے مختلف مقامات پر لے گئے۔ مولانا ان مقامات کی مناسبت سے عربی میں مختلف دعائیہ آیتیں پڑھتے تھے اور پڑھاتے جاتے تھے۔ بالآخر ذاکر صاحب نے فرمایا "مولانا عربی میں تو بہت سی دعائیں مانگ لیں۔ اب مجھے کچھ اردو میں مانگ لینے دیجیے۔"

سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے اور ہر ایک نے دعائیں خاموشی سے غالباً اپنی ہی زبان میں مانگیں۔"

(بحوالہ مسلم یونیورسٹی گزٹ)

روس میں مقبولیت

روسی فیڈریشن کے فنی کارکن جناب نیتوجنوف صاحب نے اپنے ایک مقالے میں فرمایا:

سوویٹ عوام ہندستان کے عظیم ادب سے بھی گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ رابندر ناتھ ٹیگور، پریم چند اور کرشن چندر جیسے ادیبوں کی کتابیں خاص طور سے مقبول ہیں۔

فرنگی محل کا علمی ذخیرہ

مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا علمی کتب خانہ لکھنؤ سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو منتقل ہوگیا ہے۔ فرنگی محل کے تمام مشاہیر کی تقریباً تمام تالیفات اس میں موجود ہیں۔ اور یہ عہد علوم و فنون اسلامی کے تقریباً ڈھائی ہزار بیش قیمت نوادر، مخطوطات مطبوعات کا گراں قدر خزینہ ہے۔

پنڈت نہرو کی پریس کانفرنس اور اردو

۱۷ اکتوبر کو پنڈت جواہر لال نہرو نے پریس کانفرنس میں جو کچھ کہا وہ محض ایک سیاست داں کا رسمی جواب نہ تھا۔ بلکہ حالات حاضرہ پر ایک بلند پایہ انسان ایک سچے محب وطن اور پرخلوص جمہوریت پسند اور عوام دوست کے خیالات تھے۔ انھوں نے اس کانفرنس میں اردو کے متعلق بھی اظہار خیال کیا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ پنڈت جی اردو کے مسئلہ پر نرمی اور جرأت سے رفتہ رفتہ ہندستانی عوام کے خیالات بدل رہے ہیں۔ یہ کام محض سیاسی اعلانوں سے نہیں ہوتا۔ پنڈت جی نے فرمایا:

"اردو کو ان علاقوں میں جہاں وہ عام زبان ہے اور زیادہ ترقی دینی چاہیے۔

ایک سوال کے جواب میں کہ کیا وہ یوپی کی حکومت کی اردو کے متعلق پالیسی کو پسند نہیں کرتے؟ انھوں نے کہا کہ یہ خاص طور پر یوپی کی حکومت کا سوال نہیں ہے۔ اردو کی اور زیادہ ہمت افزائی کئی وجوہ سے ہونی چاہیے۔ یہ اُن زبانوں میں سے ایک ہے جن کا دستور میں ذکر ہے اور بجا طور پر ذکر ہے۔ پھر یہ حقیقت میں ایک ہندستانی زبان ہے پاکستانی زبان نہیں۔ سوائے ہندستان کے اور کوئی ملک اردو پر دعویٰ نہیں کرسکتا۔ یہ عام طور پر بولی جاتی ہے اور دہلی میں تو اردو کے اخبار بڑی تعداد میں نکلتے ہیں غالباً ان کی اشاعت ہندی اخباروں سے بھی زیادہ ہے اور پھر اردو کے اخبار ہندو مہاسبھا والے بھی نکالتے ہیں۔

ان باتوں کے علاوہ اردو دراصل ہندی کی تقویت کا باعث ہے۔ ایک زبان دوسری زبان کا نقصان کرکے ترقی نہیں کرسکتی ہندی اور اردو بنیادی طور پر ایک ہی اصل رکھتی ہیں۔ صرف الفاظ، فقروں اور رسم خط کا فرق ہے۔ اس زبان میں بڑی کی جاتی ہے۔ اس کا رسم خط خفیف تبدیلیوں کے ساتھ مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ میں بھی رائج ہے ان سب باتوں کی وجہ سے اردو سیکھنے کی ہمت افزائی کرنا چاہیے اس کی ہمت افزائی سے ہندی یا کسی دوسری زبان کا کوئی ہرج نہیں ہوتا۔ (ترجمہ از اسٹیٹسمین ۲۲۔ اکتوبر ص ۷)

ایشیائی ادیبوں کی کانفرنس

آخر ستمبر میں علی گڑھ کے اردو ادیبوں نے ایک جلسہ کیا جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ۲۳، ۲۲۔ دسمبر کو دہلی میں ہونے والی ایشیائی ادیبوں کی کانفرنس کے لئے علی گڑھ میں رہنے والے اردو کے ادیبوں کی ایک کمیٹی قائم کی جائے۔

جلسے میں یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ اردو ادب کے تمام اہم مرکزوں میں اس قسم کی کمیٹیاں قائم کی جائیں جیسی کہ علی گڑھ میں قائم ہوگئی ہے۔ ان کمیٹیوں کے بھیجے ہوئے نمائندے ایشیائی کانفرنس میں اردو کی نمائندگی کریں گے اگر ممکن ہوا تو ان کا ایک جلسہ ایشیائی کانفرنس کے پہلے بھی کیا جاسکتا ہے۔

جلسے نے یہ اعلان کیا کہ اس سلسلے میں مزید معلومات ایشیائی کانفرنس کے مرکزی دفتر (ہندی بھون، انٹر کمیونی کیشن بلڈنگ، کناٹ سرکس، نئی دہلی) یا سید سجاد ظہیر (وزیر منزل، وزیر حسن روڈ لکھنؤ) سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

سرکاری زبان اور اردو

یکم نومبر کو جو نئی آندھرا اسٹیٹ قائم ہونے والی ہے اس کی سہولت کے لئے مال گزاری وغیرہ سرکاری محکموں کی اردو اصطلاحات کا تلگو اور انگریزی میں ترجمے کا ایک مجموعہ تیار کیا جارہا ہے۔

خطبۂ صدارت

کل ہند اردو مجلس آندھرا

ڈاکٹر وی۔ کے سیتہ وادی۔ ممبر پارلیمنٹ

بقیہ سلسلہ گزشتہ

بات یہاں تک بڑھی کہ مشکلات کا حل یہ تلاش کیا گیا کہ پہلوی رسم خط کو چھوڑ کر رومن رسم خط اختیار کرنے کا مشورہ دیا گیا میں نے اس تجویز میں خوبیاں تلاش کرنے کی ایک زمانے میں کوشش کی تھی مگر خود اس تحریک کے موجد اور محرک بھی، بالآخر اس کے ناقابل عمل ہونے کا اقرار کرنے لگے۔ فارسی رسم خط کو عربی رسم خط کہہ کر ہندی والوں کی جانب سے جو مخالفت کی جا رہی ہے۔ وہ تو غلط ہے۔ فارسی آریائی زبانوں میں سے ہے۔ اس لئے میں اسے غیر آریائی رسم خط نہیں مانتا۔ عربی حروف تہجی اور اس کی صوتی خصوصیات نیز فارسی اور ہندی آوازوں کو اس رسم خط میں جمع کر دیا گیا ہے لیکن بہرحال ضرورت اصلاح باقی ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

رسم خط کے علاوہ ایک اور مسئلہ اردو صرف و نحو کا ہے ہندستان میں ہندی اور اردو کے درمیان حد فاصل قائم کرکے انھیں ایک دوسرے سے دور لے جانے میں اس چیز کو بھی دخل حاصل ہے۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ اردو ہندی کی دو الگ الگ صرف و نحو (گریمر) جاری ہیں ایک قطعی طور پر عربی گرامر ہے۔ دوسری سنسکرت ویاکرن۔ جس وقت عربی، فارسی، ترکی ہندی سنسکرت کے دریا ایک ہی سمندر میں گر کر ایک نئی زبان کو جنم دے رہے تھے۔ اس وقت ضرورت تھی کہ ایک ایسی گرامر ترتیب دے دی جاتی جو درمیان کا راستہ اختیار کرتی۔ اور اس موجودہ خلیج کو کم کرنے کا کام دیتی۔

واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۰۰ء میں اس کام کی جانب ایک قدم اٹھایا بھی گیا تھا جب کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز ملازموں کو ہندستانی زبان سکھانے کے لئے کلکتہ کے فورٹ ولیم میں ڈاکٹر جان گل کرائسٹ کی نگرانی میں ایک محکمہ قائم کیا گیا اور ہندو مسلمان علماء سے اردو ہندی میں کتابیں لکھوائی گئیں۔ ہندی کے شعبہ میں پنڈت سدل مشر اور پنڈت للوجی لال اور اردو کے لئے میر امن دہلوی کے نام قابل ذکر ہیں۔ میر امن نے باغ و بہار کی تصنیف کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"خداوند نعمت صاحب مروت نجیبوں کے قدردان گل کرائسٹ صاحب نے (کہ ہمیشہ اقبال ان کا زیادہ رہے جب تک گنگا جمنا بہے) لطف سے فرمایا کہ قصہ کو ٹھیٹھ ہندستانی گفتگو میں جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان عورت مرد لڑکے بالے خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں ترجمہ کرو۔"

لیکن ہوا کیا؟ راجہ شیو پرشاد سنگھ ستارہ ہند نے (جو ہندوؤں میں ہندی اردو کو ایک ہی زبان ماننے والوں میں سب سے نمایاں شخصیت ہیں اور اپنے اس مشن میں سرگرم کار رہنے کے باعث وشودھ ہندی وادیوں کے غصے کا شکار بھی ہوئے) اس کی کہانی بیان کی ہے۔ اس کا تذکرہ راجہ صاحب کی کتاب "اردو صرف و نحو" کی انگریزی تمہید لکھتے ہوئے گریرسن نے کیا ہے۔ راجہ صاحب ہندی اردو کی الگ الگ گرامر کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ حماقت ڈاکٹر گل کرائسٹ کے وقت کے پنڈتوں اور مولویوں ———— کی بدولت پیدا ہوئی۔ وہ (مولوی اور پنڈت) مقرر تو اس بات کے لئے کئے گئے تھے کہ شمالی ہندوستان کی عوامی زبان کا ایک ایسا صرف و نحو بنا دیں۔ جو مساوی طور پر سب کے کام کا ہو۔ پر انھوں نے دو گرامر گھڑ کر رکھ دیئے ایک خالص فارسی کا دوسرا خالص سنسکرت پراکرت کا۔ اردو صرف و نحو کے مصنف مولوی سنسکرت سے واقف نہ تھے۔ اس طرح پنڈت لوگ سامی (غیر آریائی) کے اثر کو برداشت کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے...... اس کا برا اثر یہ ہوا کہ دیسی زبانوں کے مدارس کا ایسا صرف و نحو بننے کی جگہ جو فارسی اور ناگری رسم الخط دونوں میں بے تکلف لکھا جائے ہمارے یہاں دو باہم متضاد صرف و نحو جاری ہیں ایک مسلمان اور کائستھوں کے لئے اور دوسرا برہمن اور بنیوں کے لئے۔"

مولانا عبدالحق صاحب سابق سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند نے بھی اپنی قواعد اردو کی تمہید میں یہی بات کہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"ہمارے یہاں اب تک جو کتابیں صرف و نحو کی رائج ہیں ان میں عربی صرف و نحو کی تقلید کی گئی ہے۔ اردو خالص ہندی زبان ہے اور اس کا رشتہ سیدھا آریائی زبانوں سے ہے۔ اس کے برعکس عربی زبان کا رشتہ سامی زبانوں کے خاندان سے ہے اس لئے اردو صرف و نحو لکھنے میں عربی زبان کی تقلید کسی طرح جائز نہیں۔"

نتیجہ یہ نکلا کہ اردو والے اردو کو اس کے آریائی خاندان سے

نکال کر دوسرے گروہ (سیمٹک خاندان) میں زبردستی داخل کرنے لگے اور شودھ ہندی والوں نے کچھ غیر ملکی الفاظ کی موجودگی کے باعث اس دھرم بھرشٹ بھاشا (اردو) کا بائیکاٹ کیا اور بیچاری اردو کی مٹی ان دو طاقتوں کے جھگڑے میں حلال ہو کر رہ گئی۔

اردو کو عوامی زبان بنانے کی تحریک کے علمبرداروں کو یہ پہلو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

زبان اور ادب کی اشاعت میں شعرا نے جو حصہ ادا کیا ہے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی خدمت میں بھی چند معروضات پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ اردو غزل میں اب تک اردو جسم میں فارسی تغزل کا رنگ غالب رہا ہے اور اس چیز نے صرف و نحو اور عروض کے اختلافات کے ساتھ رفتہ رفتہ اردو ہندی کو دو زبانوں میں تقسیم کرنے میں خاص حصہ لیا ہے۔ ہم اسے اسلوب بیان کا اختلاف کہہ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر جان گل کرائسٹ نے جو کتابیں شائع کیں ان میں بھی یہ اختلاف نمایاں ہے۔ حالانکہ ان کا مقصد زبانوں کے اختلاف کو مٹانا تھا۔ میرامن اور پنڈت سدل مشر کے اسالیب نمایاں طور پر الگ الگ رنگ لئے ہوئے ہیں۔ فسانۂ عجائب کی مقفیٰ عبارت کو دیکھئے۔ اور پنڈت سدل مشر اور للو جی لال کی تصانیف کو جن میں برج بھاشا اور سنسکرت کی جھلک ملتی ہے۔ اردو کے شعرا کو تغزل میں ایرانی گل و بلبل، قیس و لیلےٰ، شیریں و فرہاد کے علاوہ ہندستانی محبت کی کوئی مثال نہیں ملی۔ وہ دجلہ فرات کے کناروں پر گھومتے رہے۔ انھیں اپنے قریب گنگا جمنا کی وادیاں نظر نہ آئیں۔ شکنتلا کا نام انھوں نے سنا ان سنا کر دیا۔ نالہ ہائے بلبل اور آواز طوطی کی گونج میں کوئل کی سریلی آواز ہمیشہ دبی رہی۔ اب اگر اسے لوگ تنگ نظری کہیں تو آپ شکایت کیوں کرتے ہیں۔ ہندستان میں قدرت کی حسن کاریوں کو آپ کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ میں صاف طور پر عرض کرتا ہوں کہ اردو کے مخالفوں نے ان چیزوں کو ان کے خلاف استعمال کیا ہے اور اگر ہم نے اپنا رویہ نہ بدلا تو وہ ایسا کرتے رہیں گے۔ معاف کیجئے ایسے ہندو شعرا کے مقابلے میں جنھوں نے مسلمان شعرا کا رنگ اپنایا۔ ایسے مسلمان شعرا کی تعداد جنھوں نے اپنے کلام میں ہندوستانیت کو جگہ دی بہت کم ہے۔ اور ہمیں ملک کے بدلتے ہوئے حالات میں اس صورت حال کو بدلنا ہے۔

بالکل یہی بات عروض کے معاملے میں کہی جا سکتی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس بارے میں زیادہ ٹیکنیکل بحث کی تفصیلات آپ کے حافظے پر غیر ضروری بوجھ ڈالنے کا باعث ہوں گی۔ "کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ" پر نوٹ لکھتے ہوئے مولانا عبدالحق نے اپنے رسالہ اردو کی اشاعت جنوری سنہ [illegible] میں اس مضمون پر بحث کی ہے۔ اس تبصرے میں مولانا فرماتے ہیں کہ :-

"اگر اردو (ریختہ) کو ادبی نشو و نما دکن میں حاصل نہ ہوئی ہوتی تو بہت ممکن تھا کہ بجائے فارسی عروض کے ہندی عروض ہوتا۔ کیونکہ دوآبہ گنگ و جمن میں آس پاس ہر طرف ہندی تھی اور ملک کی عام زبان تھی۔ برخلاف اس کے دکن میں کوئی اس کا آشنا نہ تھا۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ فارسی اس پر چھا گئی ورنہ یہ جو تھوڑا سا امتیاز اردو ہندی میں پایا جاتا ہے۔ وہ بھی نہ رہتا اور غالباً یہ اردو کے حق میں بہت بہتر ہوتا..... عروض کا قومی زبان اور خیالات سے خاص لگاؤ ہوتا ہے...... اگر بجائے فارسی عروض کے ہندی عروض ہوتا تو اردو ہندی نظم اور زبان میں وہ مغائرت جو اس وقت نظر آتی ہے نہ رہتی یا بہت کچھ کم ہو جاتی۔"

ابتدا میں کسی کسی اردو شاعر نے ہندی اوزان میں شاعری کی مثالیں پیش کی تھیں، اس کا پتہ چلتا ہے لیکن یہ ڈھنگ چل نہ سکا۔ "پنجاب میں اردو" نامی کتاب کے مصنف نے اردو کے کچھ پرانے شاعروں کے بارے میں لکھتے ہوئے ایک جگہ کہا ہے کہ :-

"یہ اور بحث ہے کہ وہ لوگ دلی کے روزمرہ میں نہیں لکھتے تھے یا جذبات میں فارسی کے متبع نہیں تھے ان کے اوزان ہندی تھے۔"

میر تقی میر نے "تذکرۂ نکات الشعرا" میں آصف علی خاں عاجز (جو میر صاحب کے ہم عصر تھے) کے متعلق لکھا ہے کہ :-

"اکثر ریختہ در بحر کبت می گوید"

اور نمونے کے طور پر ان کا یہ شعر پیش کیا ہے ؎

مینھ کے برسنے کی باد چلی ہے اب انکھوں سے جان جن آنسو چلیں گے
درد کے نیساں کے گوہر غلطاں تو مٹی میں کنکروں سے آہ رلیں گے

میں اس بارے میں انتہا پسندوں سے متفق نہیں ہوں جو اردو کے موجودہ عروض کے قطعی خلاف ہیں لیکن موجودہ عروض کی بعض خامیوں کو دور کر کے اور ہندی عروض کی قابل عمل خوبیوں کو اپنا لیا جائے تو مولانا عبدالحق کی یہ شکایت دور ہو سکتی ہے کہ :-

"ہندی عروض اختیار نہ کرنے سے وہ (اردو زبان) بہت سی خوبیوں سے محروم رہ گئی۔"

میں سمجھتا ہوں کہ اس تھوڑی سی بحث میں میں نے آپ کا بہت سا قیمتی وقت لے لیا ہے لیکن جس الجھن میں ہم اردو ہندی والے آج گرفتار ہیں اس سے نکلنا ہے تو ان سوالات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

(باقی آئندہ)

خطبۂ صدارت

کل مرہٹواڑہ اردو کانفرنس

جناب حبیب الرحمن صاحب معتمد انجمن ترقی اردو حیدرآباد

(بہ سلسلۂ گزشتہ)

اردو کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ اس کے بولنے والوں کا بھارت کی ہر زبان کے بولنے والوں سے دن رات کا ساتھ ہے اس طرح فارسی اور عربی کے علاوہ کوئی ایک درجن ملکی زبانیں ایسی ہیں جن کے دروازے اردو ادیبوں اور شاعروں کے سامنے کھلے ہوئے ہیں جن کے علمی خزانوں سے وہ اپنی زبان کو مالا مال کر سکتے ہیں۔

کسی تحریک کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار بڑی حد تک اس طریقۂ کار پر بھی ہوتا ہے جو تحریک کو چلانے والے اختیار کرتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اچھے اور واجبی مقصد بھی اس وجہ سے پورے نہیں ہونے پاتے کہ جو ذرائع ان کے حصول کے لئے اختیار کئے گئے وہ حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ٹھیک نہ تھے۔ اردو کے ساتھ جو ناانصافیاں ہو رہی ہیں وہ مسلّم لیکن اگر ہم سیاسی ہنگاموں، فلک شگاف نعروں، بلند جلوسوں، عظیم الشان جلسوں، دھواں دھار تقریروں اور اشتعال انگیز مظاہروں سے ان ناانصافیوں کو بند کرنا چاہیں گے تو میرا یہ خیال ہے کہ موجودہ حالات میں ہم اپنا اصل مقصد حاصل نہ کر سکیں گے۔ اجرتوں میں اضافہ، اجناس کی قیمتوں میں کمی یا ریاستی سرحدوں میں تبدیلی حاصل کرنے کے لئے یہ طریقے مفید ہوں تو ہوں لیکن اردو کو اس کا واجبی حق ایسی ہنگامہ آرائیوں سے نہیں مل سکے گا۔ ہمارا کام نسبتاً زیادہ کٹھن اور ہماری منزل زیادہ دشوار گزار ہے اس لئے ضرورت ہے کہ ہم منزل تک پہنچنے کے راستے بھی اسی مناسبت سے اختیار کریں۔

اس سلسلے میں سب سے بڑی ضرورت اردو کی تنظیم کو مضبوط بنانے کی ہے۔ آپ کو غالباً علم ہے کہ تقریباً نصف صدی سے انجمن ترقی اردو ہندستان میں اردو کا پرچار کر رہی ہے۔ اردو ادب کے سینکڑوں جواہر پاروں کو فنا ہونے سے بچانا، اردو بولنے والوں میں اپنی زبان کی عظمت کا احساس پیدا کرنا، اردو ادیبوں اور اہل قلم میں لکھنے کا شوق پیدا کرنا، ان کے احساس کمتری کو دور کرنا، یہ ایسے کارنامے ہیں جن پر انجمن ترقی اردو بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب سے ہمارے دوسرے اختلافات خواہ کتنے ہی گہرے ہوں، ہم مولوی صاحب کی ان خدمات کو نہیں بھلا سکتے جو انھوں نے انجمن ترقی اردو کے سکریٹری کی حیثیت سے سہا سال تک انجام دی ہیں۔ اردو زبان پر ان کے احسانات کا صحیح اندازہ آئندہ تاریخ ہی کرے گی۔ آزادی کے بعد اس ادارے کی باگ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں اور قاضی عبدالغفار جیسی شخصیتوں کے ہاتھوں میں آئی اور ان حضرات نے انتہائی مشکل حالات میں انجمن کا کام سنبھالا اور اردو زبان کو دشمنوں کے حملوں سے بچانے کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ قاضی صاحب نے بالآخر عین لڑائی کے دوران میں ایک سپاہی کی طرح جان دی۔ اور اب یہ زبردست ذمہ داری آل احمد سرور کے نسبتاً کم تر لیکن کافی مضبوط کندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری توقعات کو پورا کریں گے۔ لیکن موجودہ حالات میں اردو کی ناؤ کو پار لگانا کسی ایک فرد یا چند افراد کے بس کا کام نہیں ہے۔ اس کے لئے تمام اردو بولنے والوں کی اجتماعی قوت درکار ہے اور اس لئے ضرورت ہے کہ اس قوت کو منتشر نہ ہونے دیا جائے بلکہ اسے ایک مرکز پر لاکر اس سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے۔ ملک کے مختلف حصوں میں جو افراد یا ادارے اپنے اپنے طور پر اردو کی خدمت کر رہے ہیں وہ سب مرکزی انجمن سے منسلک ہو جائیں اور جہاں ابھی تک کوئی تنظیم نہیں ہے۔ وہاں انجمن کی شاخیں قائم کی جائیں اور اس طرح سارے ملک میں ترقی اردو کی انجمنوں کا ایسا مضبوط نظام قائم ہو جائے کہ ملک کے صاحب اقتدار افراد اور حکومتیں اس کی آواز پر متوجہ ہونے کے لئے مجبور ہوں۔ ایسی تنظیم کا وجود اگر ایک طرف حکومت سے گفت و شنید کرنے میں معاون ہوگا تو دوسری طرف یہی جو تعمیری کام کرتا ہیں ان کی رہنمائی میں اس سے بہت بڑی مدد ملے گی۔

حضرات! ابھی کچھ دیر پہلے میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ اردو کی بقا اور ترقی کا انحصار سب سے زیادہ خود اردو بولنے والوں پر ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنی اس گفتگو کو ختم کرنے سے پہلے مختصر طور پر ان کاموں کا بھی ذکر کر دوں جن کی ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ہے اور جن کے بغیر اردو کے ساتھ ہماری محبت کے دعوے اخلاص سے خالی نظر آتے ہیں۔

سب سے پہلے تو اس کی ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر شخص جو اردو کے مسئلے کا احساس رکھتا ہے اپنی اپنی جگہ پر ایمان داری کے ساتھ یہ سوچے کہ اردو زبان کو بچانے یا آگے بڑھانے میں وہ خود اپنا فرض ادا کر رہا ہے یا نہیں۔ اگر اس کے پاس کچھ فالتو وقت موجود ہے تو کیا اس کا کچھ حصہ وہ اردو کی خدمت میں صرف کر رہا ہے۔ اگر اس کی آمدنی اپنی اور متعلقین کی واجبی ضروریات پورا کرنے کے بعد بچ سکتی ہے تو کیا اس کا کچھ حصہ وہ اردو کے اداروں کی امداد میں دے رہا ہے۔ استطاعت رکھتے ہوئے بھی وہ اردو کے اخباروں، رسائل اور کتابوں کے خریدنے میں کوتاہی تو نہیں کر رہا ہے۔ اپنے اور اپنے خاندان کے بچوں کو اردو پڑھانے کی طرف سے غافل تو نہیں ہے اور اسی قسم کے دوسرے سوال ہم اپنے آپ سے کریں اور اگر

ضمیر کے کسی گوشے سے خاموش ملامت کی آواز آئے تو پوری ایمانداری کے ساتھ اس کی تلافی کی کوشش کریں۔ بھائیو! میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر واقعی ہم اس نسخے پر عمل کریں تو پھر اردو اداروں کو نہ تو کارکنوں کی کمی محسوس ہو اور نہ اُن کے کاموں میں روپے کی کمی کی وجہ سے کوئی رکاوٹ پیدا ہو۔ نہ اردو اخباروں، رسالوں اور کتابوں کے ناشروں کو خریداروں کی کمی کی شکایت ہو اور نہ بچوں کی کافی تعداد نہ ملنے کے باعث اسکولوں سے اردو کی جماعتیں برخواست ہوں۔

پرائمری تعلیم کا مسئلہ ہمارے لئے خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ تعلیم کا یہی وہ زینہ ہے جہاں بچے کو اس کی مادری زبان میں تعلیم انتہائی ضروری ہے اردو زبان کے خلاف جو سب سے زیادہ مہلک حربہ بعض مقامات پر استعمال کیا جارہا ہے وہ یہی تحتانی جماعتوں سے اردو کو نکالنا ہے۔ اس لئے اردو کے کارکنوں کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ تحتانی درجے پر سب سے زیادہ نگاہ رکھیں۔ انجمن ترقی اردو کی مقامی شاخیں اپنے اپنے حلقے میں اردو بولنے والے ایسے تمام بچوں کے محلہ واری رجسٹر رکھیں جن کی عمر اسکول جانے کی ہے جو بچے تعلیم نہیں پا رہے ہیں، انھیں اسکولوں میں داخل کرائیں اور جو بچے اردو کے بجائے کسی اور زبان میں تعلیم پا رہے ہیں، انھیں اردو میں تعلیم دلانے کی صورت پیدا کریں۔ جبری تعلیم کا عمل جیسے جیسے پھیلتا جائے گا آپ اس کام کی اہمیت کو محسوس کریں گے۔

اردو سے سچا پریم رکھنے والوں کے لئے خدمت کا ایک اور وسیع میدان کھلا ہوا ہے۔ وہ بدنصیب اشخاص خواہ سرپرستوں کی غفلت سے خواہ حالات کی مجبوری سے بچپن میں تعلیم نہیں پا سکے اور جن کے لئے اب اسکولوں میں تعلیم پانا خارج از بحث ہے، وہ خاص کر اس جمہوری دور میں آپ کی توجہ کے مستحق ہیں۔ عوام کا حق رائے دہی اور اس کی بنیاد پر جمہوریت کا قیام بڑی حد تک بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اگر عوام کی اکثریت جاہل و ان پڑھ رہے۔ اسی لئے حصول آزادی کے بعد تعلیم بالغان کے مسئلے نے غیر معمولی اہمیت حاصل کرلی ہے۔ اس لئے ہم سب کا یہ شہری فرض ہے کہ اپنے اپنے حلقہ عمل میں رہنے والے ان پڑھ مردوں اور عورتوں کی فہرستیں تیار کریں۔ محلہ کے کسی موزوں مقام پر انھیں اکٹھا کریں اور بتائیں کہ لکھنا پڑھنا نہ جاننے کے باعث وہ کس نعمت سے محروم ہیں۔ انھیں لکھنا پڑھنا سیکھنے پر آمادہ کریں۔ اور مدارس شبینہ کے ذریعے ان کی تعلیم کا انتظام کریں۔ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اگر کوئی شخص صرف چار مہینے تک روزانہ ڈیڑھ دو گھنٹے اس فرض کے لئے وقف کردے تو وہ آسانی سے موٹی موٹی عبارتیں پڑھنے اور لکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ جگہ جگہ دارالمطالعے اور چھوٹے چھوٹے کتب خانے قائم کرنے کا کام ہے جو دلچسپ بھی ہے اور مفید بھی۔ آپ غالباً جانتے ہیں کہ ہماری ریاست میں کتب خانوں کا ایک قانون حال میں نافذ ہوا ہے جس کی رو سے حکومت ہر سال محصول جائداد کے ساتھ فی روپیہ غالباً دو پائی کے حساب سے ایک لائبریری ٹیکس وصول کرے گی اور اس طرح جو رقم جمع ہوگی، وہ کتب خانوں کی امداد پر صرف کی جائے گی۔ اردو بولنے والے اگر اس رقم سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ وہ ابھی سے ہر محلے میں اردو کے کتب خانے قائم کرنے کا کام شروع کردیں اور پھر حکومت سے امداد کے طالب ہوں۔ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر حال میں ایک ادارہ " اردو لائبریری اسوسی ایشن " کے نام سے حیدرآباد میں قائم کیا گیا ہے جس کا اہم مقصد یہی ہے کہ جگہ جگہ اردو کے کتب خانے قائم کرنے کی صورتیں پیدا کی جائیں۔ اب اردو دوستوں کا یہ کام ہے کہ وہ اس ادارے کے ساتھ تعاون کرکے ساری ریاست میں اردو کتب خانوں کا جال پھیلا دیں۔

مختصر یہ کہ اردو کے تعلق سے کرنے کے کام ایک دو نہیں کئی ہیں۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ حامیان اردو باتوں اور شکایتوں کے حدود سے آگے بڑھ کر دراصل کے میدان میں قدم رکھیں ایک دوسرے کی کوششوں میں حائل ہونے کی بجائے باہمی تعاون کو اپنا شیوہ بنائیں اور مجیب صاحب کے قول کے مطابق کام کرتے ہوئے بھی گمنام رہنے کی ہمت پیدا کریں۔ ایک مرتبہ اپنے اعمال میں خلوص اور بے غرضی سے کام لیجئے اور پھر خدا پر بھروسہ رکھئے کہ وہ یقیناً آپ کی کوششوں کو پروان چڑھائے گا۔

ہماری زبان ہفتہ وار

ہمیں افسوس ہے کہ ہماری زبان سابق اطلاع کے مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۲ء سے ہفتہ وار نہ کیا جاسکا۔

ڈیکلریشن ہوگیا اور بہت پہلے محکمۂ ڈاک کو بھی درخواست بھیج دی گئی پھر یاددہانی کی گئی۔ تار بھیجے۔ اب مکرر خط بھیجا ہے لیکن اب تک اجازت نہیں آئی بغیر ڈاک خانے کی اجازت کے اگر اخبار بھیجا جائے تو محصول چوگنا ادا کرنا پڑے گا۔ اس لئے اجازت کا انتظار ہے۔ آتے ہی ہفتہ وار بھیجا جائے گا۔

ہفتہ وار ہماری زبان کی سالانہ قیمت ۔۔۔ ہوگی۔ اسی طرح ماہنامے پر شائع ہوا کرے گا۔ امید ہے کہ اس ہفتے اطلاع آجائے۔

یہ ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ قیمت منی آرڈر کے ذریعے بھیجے تو صرف ۔۔۔ آنے خرچ آتا ہے۔ وی پی میں ۔۔۔ آنے صرف ہوتے ہیں۔

منیجر
ہماری زبان

انجمن کی کتابیں

شعراء کے انتخابی سلسلے کی ۸ کتابیں

(۱) مجاز قیمت ۱۲ آنے (۲) فیض قیمت ۱۲ آنے (۳) مجروح سلطانپوری قیمت ۱۲ آنے
(۴) اختر شیرانی " ۱۲ " (۵) جوش ملیح آبادی " ۱۲ " (۶) احمد ندیم قاسمی " ۱۲ "
(۷) وحید قیمت ۱۲ آنے (۸) مخدوم قیمت ۱۲ آنے

حیات اجمل

اس کے مرتب قاضی محمد عبدالغفار صاحب ہیں۔ اس سوانح حیات کا بہت دنوں سے انتظار تھا۔ اس میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب کی سوانح عمری ہی نہیں بلکہ ملک کی پوری سیاسی تحریکات کا خاکہ پیش کیا گیا ہے جس میں حکیم صاحب مرحوم کے عظمت و کردار کا پتہ چلتا ہے۔

قیمت

مجلد آٹھ روپے

۱۔ اردو ہندی ڈکشنری مرتبہ انجمن قیمت ۲۰/-
۲۔ اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اردو حصہ ڈاکٹر محمد عزیز " ۵/۸
۳۔ بابو کے قدموں میں۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد " ۱۵/-
۴۔ سیاسیات کے اصول۔ ہارون خاں شروانی
" " " حصہ اول ۲/-
" " " حصہ دوم ۲/-
" " " حصہ سوم ۱/-
۵۔ مرقع افغان (لودھی خاندان کی تاریخ) ۳/۴
۶۔ ہندی ادب کی تاریخ۔ ڈاکٹر محمد حسن ۵/۸
۷۔ قومی تہذیب کا مسئلہ ڈاکٹر عابد حسین ۲/-
۸۔ ہندستانی سماجیات۔ ڈاکٹر جعفر حسن ۳/۸
۹۔ ادبی قومی تذکرے حصہ اول۔ کشن پرشاد کول ۲/۸
۱۰۔ " " " دوم " ۳/۸
۱۱۔ اسلامی فن تعمیر۔ سید مبارز الدین رفعت ۲/-
۱۲۔ کچھ روز کی بابت۔ ابوسالم ۳/۸
۱۳۔ نفسیات اطفال ولی الرحمن قیمت ۱/۴
۱۴۔ اخلاقی سماجیات ڈاکٹر جعفر حسن " ۴/۸
۱۵۔ انواع فلسفہ ظفر حسین خاں " ۵/۸
۱۶۔ ایک مشرقی کتب خانہ۔ مبارز الدین رفعت " ۳/-
۱۷۔ مذہب اور دھرم مہاتما گاندھی " ۴/-
۱۸۔ مشترکہ زبان " " ۴/۸
۱۹۔ پرچھائیں آصف علی " ۴/-
۲۰۔ حیات سرسید نورالرحمن " ۲/۸
۲۱۔ حیات اجمل قاضی عبدالغفار " ۸/-
۲۲۔ محاسن کلام غالب ڈاکٹر بجنوری " ۱/۴
۲۳۔ میر تقی میر خواجہ احمد فاروقی " ۱۲/-
۲۴۔ احوال غالب۔ مختارالدین آرزو " ۹/-
۲۵۔ نقد غالب " " " ۱۰/-
۲۶۔ دھمپد۔ منور لکھنوی " ۳/-
۲۷۔ یادگار حالی۔ صالحہ عابد حسین ۴/۴
(نیا اڈیشن بعد ترمیم و اضافہ)

حیات سرسید

مصنفہ نورالرحمن

سید مرحوم کے ان گنت احسانات ہماری قوم پر ہیں۔ وہ ہماری قوم کے سب سے بڑے آدمی تھے اور بڑے آدمیوں کے کارنامے قوم میں زندگی کی روح پیدا کرتے ہیں اس کتاب میں سید مرحوم کی عظیم الشان زندگی کا خاکہ پیش کیا گیا ہے تاکہ عام پڑھنے والے ان کے بڑے بڑے کاموں اور ان کی زندگی کے خاص پہلوؤں سے واقف ہو جائیں۔

قیمت ۲/۸ روپے

ہماری زیر طبع کتب

(۱) ذکر حافظ سید سجاد ظہیر
(۲) انتخاب کلام میر ڈاکٹر عبدالحق
(۳) اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام ڈاکٹر عبدالحق
(۴) ترقی پسند ادب (نیا اڈیشن بعد ترمیم و اضافہ) سردار جعفری
(۵) امراؤ جان ادا اور دوسرے مضامین خورشید الاسلام
(۶) مقالات حالی الطاف حسین حالی

شعراء کے انتخابی سلسلے کی مندرجہ ذیل کتابیں

(۱) کیفی (۲) آزاد (۳) جذبی (۴) اختر انصاری (۵) شاد عارفی

انتخاب جدید مرتبہ آل احمد سرور قیمت ۴ روپے یادگار حالی (نیا اڈیشن بعد ترمیم و اضافہ) صالحہ عابد حسین قیمت ۴/۴ روپے

پرنٹر پبلشر اطہر پرویز نے نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپا کر مرکزی دفتر علی گڑھ سے شائع کیا